OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

تلاوتِ قرآن میں الحان، موسیقی اور مقامات کی شرعی حیثیت: قائلین ومانعین کے دلائل کا جائزہ

(*Sharī'ah* Stance on use of Melody, Music and *Muqāmāt* in the Recitation of the Quran: A Review of the arguments by Exponents and Opponents)

Muhammad Sher Rabana
Doctoral Candidate Islamic Studies, University of Sargodha
Dr. Feroz-ud-Din Shah Khagga
Assistant Professor of Islamic Studies, University of Sargodha

Abstract

The Quran, due to its unique rhythmic style of expression, seems to have a deep connection with music and elegance of voice, on the other hand, Islam has various teachings regarding the prohibition of music and songs. In this context, there has been a debate among Islamic scholars as to whether it is permissible to use the principles of music, *Muqāmāt* and melodies in the recitation of the Quran? Some scholars are convinced of the *Sharī'ah* legitimacy of the use of music, *Muqāmāt* and melodies in the recitation of the Quran but some scholars do not consider it permissible. This study is an attempt to discover the factual *Shar'īah* stance on the subject by analyzing the arguments of both groups of scholars. It supports the viewpoint of the opponents, but also tries to reconcile the two positions. It maintains that there is nothing wrong with reciting the Quran in a beautiful voice but it must be free from those forms of music which are not adored in Islamic *Sharī'ah*.

Key Words: Quran, recitation, music, use, *Sharī'ah,* scholars

تمہید

قرآن کے الفاظ کی ادائیگی کا آواز اور اس کی خوب صورتی و لطافت سے گہرا تعلق ہے۔ قرآن نازل ہوا تو اس کو ترتیل[1] سے پڑھنے کا حکم آیا؛ نبی کریم ﷺ نے تلاوتِ قرآن میں خوش آوازی کی ترغیب دی؛ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کی عمدہ قراءت کے سبب حضور ﷺ نے تحسین فرمائی۔ صحابہ کرام تلاوتِ قرآن میں جن اصول وضوابط کا لحاظ رکھا کرتے تھے، انھیں بعد کے ادوار میں فن تجوید کا نام دیا گیا، جس کے ذریعے حروف کے مخارج وصفات کی وضاحت ہوئی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک کے عمدہ اسلوبِ بیان کے باعث اس میں ایک خاص موسیقیت اور ردھم پایا جاتا ہے۔ جب قاری حسنِ صوت اور ترتیل سے مزین قراءت کرے تو قاری وسامع اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی سبب سے انسانی عقل ایک موسیقار کے وضع کردہ فن موسیقی کے قواعد کی طرف جاتی ہے۔ فرانسیسی موسیقار ژاک ژیلبیر[2] کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ اس نے ایک عرب سفیر کے ہاں کھانے کی دعوت کے موقعے پر تلاوتِ قرآن سن کر کہا کہ مجھے ایسا لگا کہ جیسے یہ موسیقی کی دنیا کی کوئی بہت اونچی چیز ہے؛ میں نے خود جو دھنیں اور ان کا جو نشیب وفراز ایجاد کیا ہے، یہ اس سے بھی آگے ہے؛ بلکہ موسیقی کی اس سطح تک پہنچنے کے لیے ابھی دنیا کو بہت وقت درکار ہے۔ اور اسی بنا پر یہ شخص بعد میں مسلمان ہو گیا۔[3] اس تناظر میں دیکھیں تو قرآن کا موسیقی، الحان اور ردھم سے ایک خاص تعلق نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے، لیکن دوسری طرف بعض لوگ موسیقی سے متعلق حرمت یا ناپسندیدگی کے عمومی مذہبی نظریے کے حوالے سے اس کے اصولوں کا قرآن کی تلاوت کے حوالے سے استعمال درست نہیں سمجھتے۔ بہ الفاظ دیگر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ الحان، مقامات یا موسیقی کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے، تلاوتِ قرآن جائز ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں علما کا موقف دیکھیں تو نظر آتا ہے کہ کچھ جواز کے قائل ہیں اور کچھ عدم جواز کے۔ ان ہر دو مواقف کی تفصیل کیا ہے اور اس سلسلے میں صحیح پوزیشن کیا ہے؟ اس امر کی کھوج ان سطور کا محرک ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ الحان، موسیقی اور مقامات کی حقیقت اور قرآن میں ان کے استعمال کا پس منظر جان لیا جائے۔

الحان، موسیقی اور مقامات اور تلاوتِ قرآن میں ان کے استعمال کا پس منظر

موسیقی اور الحان وہ فن ہیں، جن کے نتیجے میں آواز میں کمال اور عمدگی پیدا ہوتی اور سامعین کے لیے لطف اور حظ کا سبب بنتی ہے۔ انھی فنون سے آواز کے اتار چڑھاؤ اور اس کے اندر پائی جانے والی شدت اور نرمی، مختلف دھنوں، عمدہ اور پسندیدہ، سخت اور ناپسندیدہ آوازوں وغیرہ سے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ آواز اور نغماتِ صوتیہ دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے؛ یہ دونوں انسان کی معاشرتی زندگی پر بھی خاصا اثر رکھتے ہیں۔ ان کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانی تاریخ۔ قدسیہ جبیں کے بقول آواز کے اتار چڑھاؤ اور ادائیگی کی اسی اثر آفرینی کے پیش نظر تمام تہذیبی ادوار میں مذہبی مناجات، پاٹھ اور گیت گانے کے لیے سُر کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ ہندومت میں توسنگیت کی باقاعدہ مذہبی معنویت ہے۔ اسی طرح داود علیہ السلام کی پر سوز اور

---

[1] المزمّل 73: 4

[2] فرانسیسی دنیا کا بڑا موسیقار، جس کے بنائے اور گائے ہوئے گانے اور ریکارڈ بہت مقبول تھے۔

[3] دیکھیے: ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات قرآنی (لاہور: الفیصل، 2009ء)، 227-228۔

دلکش آواز میں زبور کی تلاوت ایسا سماں باندھ دیتی کہ تورات کی روایت کے مطابق چرند پرند تک مبہوت ہو کر سنا کرتے۔ آواز کی یہی اثر انگیزی رہتی دنیا تک کے لیے "لحنِ داودی" کی صورت میں ضرب المثل بن گئی۔ قرآن حکیم نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب صورت اور پر سوز لب ولہجے میں اس کی تلاوت کی تلقین کی۔ حدیث میں سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کی خوب صورت تلاوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کی تحسین فرمانے کا ذکر موجود ہے۔[4]

جہاں تک قرآن میں الحان کی ابتدا کا تعلق ہے تو زرکلی سے معلوم ہوتا ہے کہ عبیدۃ بن ابی بکرہ الثقفی نے 32ھ میں پہلی بار قرآن کی ترتیل اور اذان کے لیے الحان کو متعارف کروایا۔ ڈاکٹر طہ عبد الوہاب کے مطابق عبید اللہ نے جب دیکھا کہ لوگ اذان میں یہ تکرار اور اقامت اور نماز کے دوران میں پڑھی جانے والی تکبیروں میں فرق ملاحظہ نہیں رکھ پاتے، تو انھوں نے ہر دو کے لیے حسنِ صوت کے الگ الگ پیمانے اور اسلوب متعارف کروائے، اور یہیں سے تلاوت قرآن میں "مقامِ حجاز" کو بطور لحن پڑھنے کا آغاز ہوا، جو بعد ازاں ہمارے دور تک پہنچتے پہنچتے "مقامات" کی شکل اختیار کر گیا۔ اس سے قبل کہ ہم "مقامات" کی وضاحت اور تفصیل میں جائیں، ہمیں موسیقی کی بعض بنیادی اصطلاحات کو سمجھ لینا چاہیے۔ اس کام کے لیے ہم عربی موسیقی کی اصطلاحات کے بالمقابل برصغیر کی موسیقی کی اصطلاحات استعمال کریں گے، تاکہ بات سمجھنے میں سہولت ہو۔ دنیا کے کسی بھی نظامِ موسیقی کی طرح عربی موسیقی کی بنیاد بھی سُر اور لَے پہ قائم ہے۔ سُر موزوں آواز کو کہتے ہیں اور ہر سُر دراصل ایک مخصوص فریکونسی ہوتا ہے۔ فرض کیجیے کہ آپ ایک آواز پیدا کرتے ہیں، جس کی فریکونسی 240 ہے۔ اب آپ اس فریکونسی کو بڑھاتے جائیں تو آواز اونچی اور پتلی ہوتی جائے گی۔ جب اس آواز کی فریکونسی 480 ہو جائے تو یہ پہلے مقام سے دگنی ہو گئی۔ ان دونوں مقامات کے درمیان ریاضیاتی حساب سے تو ہزاروں مقامات موجود ہیں، لیکن ظاہری بات ہے کہ ہمارے کان ان تمام مقامات کو نہ تو شناخت کر سکتے ہیں اور نہ ہی ہر مقام ہمارے کانوں کو بھلا معلوم ہو گا۔ پس ماہرین نے پہلے مقام کو پہلا سُر (کھرج یعنی سا) مانا ہے اور دوسرے مقام کو اوپر والی سپتک کا پہلا سُر (سا) مانا ہے، اور ان دونوں کے درمیان سات مقامات پر سُر مانے گئے ہیں۔ اس درمیانی فاصلے کو سپتک یا استھان بھی کہتے ہیں۔ انسانی گلا بالعموم تین سپتک کے اندر رہتا ہے، لیکن کئی فنکار اس سے اوپر بھی جا سکتے ہیں، مثلا بیگم پروین سلطانہ ساڑھے چار سپتک کا گانا گا سکتی ہیں۔ نچلی سپتک کو مندر، درمیانی کو مدھ، اور اوپر والی کو تار سپتک کہتے ہیں۔ سات سُروں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ کھرج (سا)، رکھب (رے)، گندھار (گا)، مدھم (ما)، پنچم (پا)، دھیوت (دھا)، نکھاد (نی)۔ سات سُروں میں پہلا (سا) اور پانچواں (پا) ایسے ہیں جو اپنی جگہ نہیں بدلتے، اور اَچل سُر کہلاتے ہیں، جب کہ باقی کے پانچ سُر ایسے ہیں جن کی دو دو صورتیں ہیں۔ اس طرح یہ بارہ سُر ہو جاتے ہیں۔ مزید تفصیل میں جائیں تو ایک سپتک میں بائیس شُرتیاں ہوتی ہیں۔ عربی موسیقی میں بھی بنیادی سر سات ہیں، جنھیں سات بنیادی آوازیں (سبعة أصوات أساسية) کہتے ہیں البتہ ان کی علامات سا، رے، گا، ما، پا، دھا، نی، "کی بجائے "دو- ری- می- فا- صول- لا- سی" کے طور پر لکھی جاتی ہیں۔ جس طرح ہمارے ہاں سُروں کی صعودی اور نزولی ترتیب کے ساتھ خاص اصولوں کی مدد سے راگ تشکیل دیا جاتا ہے، اسی طرح عربوں کے ہاں "مقام" تشکیل دیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں راگ کا ایک مزاج یا رَس ہوتا ہے، اور جب اس راگ کو صحیح طریقے سے گایا اور سنا جائے تو وہ اپنے رَس کے مطابق جذبات کو انگیخت کرتا ہے۔ مثلا ہمارے ہاں

[4] قدسیہ جبیں، "فنِ تلاوت اور مقاماتِ موسیقی"، رسائی مئی 7، 2021۔ https://jaeza.pk/taasrat/art-of-quran-recitation/

ایک روایت کے مطابق راگوں کے چھ رَس ہو سکتے ہیں، یعنی چنچلتا، گھمبیرتا، غم، شانتی، خوب صورتی اور بہادری۔ اسی طرح عربی مقامات کے بھی اپنے اپنے رَس ہوتے ہیں۔ سُروں کی تعداد مخصوص ہے اور گھٹائی یا بڑھائی نہیں جا سکتی۔ لیکن ان سُروں سے بننے والے راگ سیکڑوں ہو سکتے ہیں۔ لیکن مقبول راگوں کی تعداد چند درجن ہے، اسی طرح عربی مقامات میں بھی چند درجن ہی مقبول ہیں۔[5]

نغمات صوتیہ کے لیے کئی الفاظ استعمال ہوئے مثلاً تطریب، ترجیع، ترنیم، تلحین اور الحان وغیرہ لیکن یہ اختلاف صرف نام کے لحاظ سے ہے، جب کہ نغمے کے لحاظ سے سب کا ایک ہی معنی ہے، جیسا کہ شیخ عبد الوہاب غزلان نے کہا ہے کہ:"ان هذه الاصطلاحات المذكورة كلها بمعنى واحد"[6] مقام کا کلمہ آٹھویں صدی ہجری میں مخطوطات موسیقیہ عربیہ میں مذکور ہوا۔ اس سے پہلے مقام کا ذکر نہیں ملتا، جیسا کہ صفی الدین ارموی نے اس کو ادوار کا نام دیا ہے۔[7] اسی طرح الحان کو اور ناموں سے بھی جانا جاتا ہے، جیسا کہ عراق اور ایران میں "مقام"[8]، مصر میں لحن اور مقام کی بجائے "نغمہ" کہا جاتا ہے، جزیرہ عرب میں "صوت"، اندلس اور مغربی عرب میں "طبع" کہا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (م852ھ) اور شہاب الدین قسطلانی نے اس کو "قانون نغم"[9] کا نام دیا ہے، لیکن مختلف بلاد عربیہ وغیرہ میں یہ اختلاف صرف نام کے اعتبار سے ہے معنی سب کا ایک ہی ہے۔

تلاوتِ قرآن کے لیے آٹھ مقامات مخصوص کیے گئے ہیں۔ ہر مقام کم سے کم دو اجناس پر مشتمل ہوتا ہے۔ مقام میں آواز کا صعودی ارتفاع جواب کہلاتا ہے، جب کہ اسی انداز میں آواز کی نزولی کیفیت اس جواب کا قرار کہلاتی ہے۔ ہر مقام میں جواب و قرار موجود ہوتا ہے، البتہ اس میں آواز کے درمیانی فاصلوں میں باہم مغایرت پائی جاتی ہے۔ ان مقامات کے قرآن میں بطور فن آغاز اور تاریخ کی جانب پلٹیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عبید اللہ نے جو الحان متعارف کروائے، وہ مختلف راگوں پر انحصار کرتے تھے، جن میں سے کوئی رنج والم کا نغمہ کہلاتا تھا، کوئی انذار ووعید کا، کسی سے فرحت وانبساط کے جذبات جھلکتے تھے، تو کسی سے حسرت وپشیمانی کے۔ بعد ازاں ابو النصر الفارابی نے عبید اللہ کے متعارف کرائے ہوئے انھی الحان کو بنیاد بناتے ہوئے موسیقی کے باب میں دو بنیادی کتابیں تالیف کیں، جن میں سے ایک "الایقاعات" اور دوسری "الموسیقی الکبیر" کے نام سے جانی جاتی ہے۔ فارابی کی یہ دونوں تصانیف علم موسیقی میں بنیادی مصادر کی حیثیت رکھتی ہیں، اور یہیں سے وہ مقامات، جو تلاوت قرآن میں مستعمل تھے، عجمی نغموں اور گیتوں میں بھی استعمال ہونے لگے۔ تلاوتِ قرآن کے یہ الحان بعد ازاں مختلف خطوں کے لہجوں کے ساتھ مخصوص ہوئے، اور فن ترتیل اور تلاوت قرآن کے مستقل مدارس کی شکل اختیار کر گئے۔ مثلاً مقامِ عراقی پر انحصار کرنے والے عراقی مدارس اپنے لہجے اور انداز میں اندلسی مدارس سے مختلف تھے، جن کا زیادہ تر انحصار شمالی افریقا کے لہجوں اور اسالیب پر ہوتا تھا، جب کہ مقام حجاز اپنے انداز واسلوب میں ان دونوں مدارس سے الگ تھا۔ البتہ یہ سب مدارس

[5] قدسیہ جبیں، "فنِ تلاوت اور مقاماتِ موسیقی"۔

[6] عبد الوہاب غزلان، البیان فی مباحث من علوم القرآن (القاهرة مصر: دار التالیف، 2018ء)، 280-281۔

[7] الدکتور فتحی الخمیسی، ازمة الموسیقی المصریة وازمة المقامات (القاهرة: المجلس الاعلی للثقافة الجزیرة، 2008ء)، 100:2۔

[8] مقام کی جمع مقامات ہے۔ اقامہ اور مقام کے کلمات کا معنی قدمین یعنی دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ ہے۔ دیکھیے، لسان العرب، مادہ "قوم" 496:12۔

[9] احمد بن حجر العسقلانی (م852ھ)، فتح الباری شرح صحیح البخاری (قاہرۃ: مطبعۃ السلفیۃ ومکتبھا، س ن)، 72:9۔، شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد قسطلانی (م923ھ)، لطائف الاشارات، قراءات فی علم القراءات (قاہرۃ: دار الکتب والوثائق القومیۃ، س ن)، 217:1۔

تلاوت قرآن کے صوتی مقامات سکھانے میں مقاماتِ موسیقی کے بنیادی اصول و قواعد کو ملحوظ رکھتے تھے۔ گویا بنیادی تعلیم تو ایک ہی ہوتی تھی، مگر بعد ازاں تخصص میں اپنا اپنا رنگ آجاتا تھا۔

سلطنت عثمانیہ نے اس فن کو نئی جہتیں دیں اور اذان کہنے کے بڑے بڑے فنکار پیدا کیے۔ سلطنت عثمانیہ کے کمزور ہونے، اور مسلم خطوں کے تار و پود بکھرنے کا اثر اس فن پر بھی پڑا۔ مصر میں سب سے پہلے شیخ محمد زکریا نے تلاوتِ قرآن کے ضمن میں اس فن کے ضیاع کے خدشے کے پیش نظر ایسے مدارس کے قیام کی تجویز پیش کی جہاں آلات موسیقی کے بغیر مقاماتِ موسیقی سکھا کر مقاماتِ قرآنی کے اس فن کو بچانے کی صورت پیدا کی جائے۔ اس تجویز کو جامعہ ازہر نے رد کر دیا، لیکن بعد میں مصر میں فرانسیسی استعمار کے پاؤں جمتے ہی ایسے مدارس کا قیام عمل میں آگیا۔ یہاں تک کہ یہ مصری مدارس اس فن میں پوری مسلم دنیا میں ممتاز حیثیت اختیار کر گئے۔ اور یہ مشہور مثل سامنے آئی :" قرآن حجاز میں نازل ہوا اور مصر میں پڑھا گیا۔"

ان مصری مدارس کا امتیاز یہ بھی ہے کہ یہاں مقاماتِ شرقی (جو مدرسہ عراقی اور حجازی سے منسوب ہیں، مثلا رست، بیات، سیکا، صبا) اور مقاماتِ غربی (جو مدرسہ اندلسی سے منسوب ہیں مثلا عجم، نہاوند، کرد وغیرہ) دونوں کے اجتماع سے وجود میں آنے والے آٹھوں مشہور مقامات سکھائے جاتے ہیں۔ مصر میں موجود یہ مدارس فن بسا اوقات کسی ایک یا دو مقامات کی بنیاد پر مشہور ہوتے ہیں یا وہاں سے نکلنے والے قاری / ماہر فن کے اپنے ذاتی ذوق اور رجحان پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کس خاص مقام کو زیادہ پسند کر کے اس میں مہارت پیدا کر لے۔ مثلا شیخ صدیق المنشاوی نہاوند میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور یہی ان کی بڑی پہچان ہے۔ یاد رہے کہ ان مدارس میں فنِ ترتیل اور ان مقامات کے سکھانے کا انحصار صرف آواز اور راگ کی مشق ہی کی صورت میں ہے نہ کہ آلات موسیقی کے ذریعے۔ یہ آٹھ مقامات، جنھیں عرف عام میں مقاماتِ صوتی یا مقاماتِ موسیقی اور فن تلاوت میں مقاماتِ قرآنی کا نام دیا جاتا ہے، مختصراً" صنع بسحرك "کے علامتی مجموعے میں اکٹھے کر دیے گئے ہیں۔ جس کا ہر کلمہ ایک خاص مقام کی جانب اشارہ کرتا ہے (صبا، نہاوند، عجم، بیات، سیکا، حجاز، رست، کرد)۔ ان میں سے ہر مقام آواز کے اتار چڑھاؤ، انداز و اسلوب اور آواز کے درمیانی فاصلوں کے بُعد یا قرب کی بنا پر مزید کئی ذیلی شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ عربی زبان کا مشہور مقولہ" لكل مقام مقال "ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ ہر مقام ہر آیت کی تلاوت کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ آیات کے معانی اور مضامین کے اعتبار سے مختلف مقامات ہو سکتے ہیں۔ پس قاری، دوران تلاوت ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل ہو سکتا ہے، مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ۔ سو یہ مہارت ہر قاری کے بس کی بات نہیں۔ بہت سے حضرات اس میں چوک جاتے ہیں۔ آٹھ مقامات میں مقامِ بیات، مقامِ رست، عجم، مقامِ نہاوند، مقامِ صبا، مقامِ سیکا، مقامِ حجاز اور مقامِ کرد شامل ہیں۔[10] ان مقامات کا مختصر بیان درج ذیل ہے:

مقامِ بیات: یہ سب سے آسان اور ابتدائی مقام ہے، اس کی تاثیر پر سکون گہرے سمندر کے مماثل ہے۔ بیات کو مقامات میں بنیادی حیثیت حاصل ہے، جس سے بقیہ مقامات پھوٹتے ہیں۔ قراء حضرات اپنی قرآت کا آغاز و اختتام عموما اسی مقام سے کرتے ہیں۔ ایک عام آدمی بھی اپنی تلاوت میں بالعموم اسی مقام کی پیروی کر رہا ہوتا ہے۔

[10] قدسیہ جبیں، "فنِ تلاوت اور مقاماتِ موسیقی"۔

مقام رست: رست فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی استقامت اور جماؤ کے ہیں۔ اسے بہت قوت اور شدت سے ادا کیا جاتا ہے۔ شیر کی دھاڑ اس کی عمومی مثال ہے، جس میں ایک مخصوص شدت اور زور پایا جاتا ہے۔ عام طور پر قراء حضرات تلاوت کا آغاز بیات سے کر کے فوراً رست پر چلے جاتے ہیں۔ سعودی قراء خصوصا سدیس، حذیفی اور محیسنی وغیرہ عموما اسی مقام کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ رست کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ قاری تلاوت کا آغاز بہت قوت و شدت سے کرے، پھر آہستہ آہستہ اپنی آواز اور لہجے کو سکون اور ٹھہراؤ کی طرف لے آئے۔ شیخ منشاوی کی "الم تر كيف فعل ربك بأصحاب الفيل" کی تلاوت اور قاری عبد الباسط کی زبانی "إذا الشمس كورت "مقام رست کو سمجھنے کے لیے مدد گار ہیں۔

عجم: یہ مقام بیک وقت حزن، شدت، نرمی اور امید کے تاثرات کا مجموعہ ہے۔ قاری عبد الباسط عجم کے تحت:و مریم ابنت عمران التی احصنت فرجہا... کی تلاوت کرتے ہیں۔ پاکستان میں مروج محافل حسنِ قرات میں بھی زیادہ تر یہی مقام سننے کو ملتا ہے۔

مقام نہاوند: ایران کے شہر نہاوند سے منسوب یہ مقام خوشی و غم، خوف ورجا، محبت وعاطفت کے جذبات کی ادائیگی کے لیے موزوں ترین ہے۔ قاری عموما اس میں آواز کی پہلی سیڑھی پر چڑھتا ہے اور آخری تک جا پہنچتا ہے۔ پھر اسی رفتار سے آواز کا سفر نیچے کی جانب شروع کر دیتا ہے۔ قاری عفاسی اور شاطری اپنی تلاوت میں اسی مقام کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ قاری عبد الباسط نے زندگی بھر کوئی ایک آیت بھی اس مقام کی پیروی میں نہیں پڑھی، جب کہ شیخ منشاوی کی اس کی جانب شدید جھکاو کی وجہ سے پہچان ہی یہی مقام ہے۔

مقام صبا: یہ درد و غم اور آنسوؤں میں ڈھالنے والا مقام ہے، اس کی سب سے خوب صورت ادائیگی شیخ عبد الباسط عبد الصمد کے ہاں ملتی ہے، جو ایک ہی نشست میں بار بار اس مقام کی جانب پلٹتے ہیں۔ قیامت کی ہولناکیوں کے ذکر پر مشتمل آیات کی تلاوت کے لیے یہ مقام بہترین سمجھا جاتا ہے۔ خالد القحطانی کے علاوہ شیخ محمد رفعت اور شیخ المنشاوی کے ہاں بھی اس کی پیروی بکثرت ملتی ہے۔

مقام سیکا: یہ مقام آہستہ روی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں تلاوت کے لیے مخصوص ہے۔ عموما قاری ان آیات کی تلاوت میں اس کی پیروی کرتا ہے، جن میں دو متضاد چیزوں کا ذکر ایک ہی جگہ پر ہو، جیسے ایک جانب خوشی کا ذکر ہے اور ساتھ ہی غم کا۔ اگر قاری اس کی ادائیگی مہارت سے کرنے پر قادر ہو تو یہ سامع کا دل چیر کر رکھ دیتا ہے۔ قاری عبد الباسط نے پوری زندگی میں صرف ایک مقطع(قدأفلح من زكاها و قد خاب من دساها)اس مقام کی پیروی میں پڑھا ہے۔

مقام حجاز: یہ خوب صورت ترین اور مشکل ترین مقام ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بقیہ مقامات کے برعکس (جو عجمی الاصل ہیں) یہ مقام عربی الاصل ہے۔ یہ شدید حزن والم، آواز کی پوری قوت لیکن انتہائی عاجزی سے ادا ہونے والا مقام ہے۔ اس کی ادائیگی میں جو مشقت اور مہارت درکار ہے، وہ ہر قاری کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے عموما بڑے بڑے قراء بھی اس مقام کی بلا تکلف پیروی سے پرہیز کرتے ہیں۔ ایک ایک گھنٹے کی تلاوت کے دوران میں قاری اسے صرف ایک آدھ آیت کی تلاوت میں برتتے نظر آتے ہیں، سوائے شیخ عبد الباسط کے، جو سورہ مریم کی تلاوت کے دوران پہلے " و حنانا من لدنا و زكوة... و يوم يبعث حيا" کی تلاوت میں اس کی پیروی کرتے ہیں، اور پھر آگے "فحملته فانتبذت به مكانا قصيا...نسيا منسيا" کی تلاوت میں پھر اسی کی جانب لوٹ آتے ہیں۔

مقامِ کرد: ادائیگی اور مشق کے لحاظ سے یہ بھی سہل ترین مقامات میں سے سمجھا جاتا ہے۔ اندلس کی موسیقی میں یہ بنیادی راگ کی حیثیت رکھتا تھا۔[11]

اب آتے ہیں تلاوتِ قرآن میں مقامات اور لحن کے قائل و مانعین حضرات کے دلائل اور ان کے جائزے کی طرف۔

قائلین کے دلائل

جواز کے لیے جن حضرات کے اقوال و افعال کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے، ان میں صحابہ میں سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (م23ھ) اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (م32ھ)، تابعین میں سے عبد الرحمن بن الاسود، ابن زید (م182ھ) اور ابن جریج (م150ھ) شامل ہیں۔ فقہا میں سے امام ابو حنیفہ کا مذہب بھی یہی ہے اور امام شافعی کا دوسرا مذہب بھی یہی ہے۔ اس گروہ کے دلائل کی بنیادیں اور ان سے ان کا استدلال حسب ذیل ہے:

حضرت براء بن عازب (م32ھ) سے مروی ہے: ان رسول اللہﷺ قال، زینو االقرآن باصواتکم۔[12] "کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی آوازوں سے قرآن کو مزین کرو۔" اور تزیین صوت سے مراد آواز میں لحن (خوش آوازی) پیدا کرنا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ (م59ھ) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "لیس منا من لم یتغن بالقرآن۔"[13] "وہ ہم میں سے نہیں جو قراءت قرآن میں غنا پیدا نہ کرے۔" اور یہاں "تغنی بالقرآن" سے مراد آواز کو خوبصورت بنانا اور لحن پیدا کرنا ہے۔ عبد اللہ بن مغفل نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (م59ھ) سے حدیث روایت کی ہے کہ قراء رسول اللہ ﷺ عام الفتح فی مسیرله سورة الفتح علی راحلته، رجع فی قرأ ته، وفی روایة انه کان یقراء (آ آ آ)[14] " حضور ﷺ نے فتح کے سال سورۃ فتح کی تلاوت کی جب کہ آپ علیہ السلام اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی قرأت میں ترجیع کی اور ایک روایت میں ہے آپ نے تین دفعہ آ --- آ--- آ پڑھا۔ "انه سمع رسول الله ﷺ یقول، ماأذن الله لشئ اذنه لنبی حسن الصوت، تغنی بالقرآن۔[15] "یہ کہ انھوں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنا کہ اپنے نبی کی خوب صورت آواز سنتا ہے، جب وہ قرآن کو خوب صورتی کے ساتھ پڑھ رہے ہوں۔ اور "اَذِنَ" ہمزہ اور ذال کی فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی استماع ہے اور "یتغنی بالقرا ن" کا

---

[11] قدسیہ جبیں، "فنِ تلاوت اور مقاماتِ موسیقی"۔

[12] ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی، سنن ابن ماجہ (بیروت: دارالفکر، داراحیاء التراث العربی، س ن)، 426:1۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن بن الفضیل بن بہرام الدارمی (م255ھ)، سنن الدارمی (دمشق: داراحیاء السنۃ النبویۃ، 1349ھ)، 474:2۔ اس حدیث پاک کو امام بخاری نے کتاب التوحید میں تعلیقاً بیان کیا ہے، اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں کتاب الصلوٰۃ میں بیان کیا ہے۔

[13] ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی، سنن البیہقی (حیدر آباد دکن: دائرۃ المعارف العثمانیۃ، س ن)، 101:5۔

[14] ابو الحسین مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری، صحیح مسلم (استنبول، 1329ھ)، 545:1۔، مزید تفصیل کے لیے، البیہقی، سنن البیہقی، 53:2۔

[15] القشیری، صحیح مسلم، 545:1، البیہقی، سنن البیہقی، 54:2؛ حسین بن مسعود الفراء البغوی، شرح السنۃ (بیروت: مکتب الاسلامی، س ن)، 484:4۔ اس حدیث پاک کو بخاری نے کتاب التوحید میں، مسلم نے صلوٰۃ المسافرین میں، نسائی نے اپنی سنن میں، بیہقی نے سنن اور شعب الایمان میں، احمد نے اپنی مسند میں، دارمی نے سنن میں اور بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔

معنی قراءت قرآن کرتے وقت اپنی آواز کو خوب صورت بنانااور اس میں لحن پیدا کرنا ہے۔حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (م44ھ) سے مروی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:لقد اوتیت مزمارا من مزامیر داؤد،قال ابو موسیٰ لوعلمت انک تسمع یارسول اللہ،لحبرته لک تحبیرا۔[16]"تحقیق تمھیں داؤد علیہ السلام کے مزامیر میں سے مزمار عطا کیے گئے ہیں ابو موسیٰ نے کہا: اگر مجھے آپ ﷺ کے سننے کے بارے پتہ چلتا تو میں اور زیادہ خوبصورت پڑھتا۔" تحبیر کا معنی تزیین ہے، یہ اصل میں قراءت سے زائد وصف ہے، جو آواز کی تزیین و تلحین کے جواز پر دال ہے، کیونکہ وہ اپنے سامع پر زیادہ مؤثر ہے۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (م23ھ) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فرمایا کرتے تھے: ذکرنا ربنا،فیقراء ابو موسیٰ،ویتلاحن وان عمر کان یقول: من استطاع ان یتغنی بالقرآن غناء ابی موسیٰ فلیفعل۔"ہمیں اپنا رب یاد دلاؤ، تو ابو موسیٰ اشعری قراءت فرماتے اور لحن پیدا کرتے اور عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے :جو ابو موسیٰ کی طرح قرآن کی قراءت لحن کے ساتھ کر سکتا ہے تو وہ کرے۔" ابن قیم نے یہ بھی روایت کیا ہے:ان ابن عباس وابن مسعود اجازا هذه القرأة ۔"ابن عباس اور ابن امسعود اس قراءت کو جائز قرار دیتے تھے۔" امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں روایت کیا گیا ہے:کانوایستمعون القرآن بالالحان۔"وہ لحن کے ساتھ قرآن مجید سنا کرتے تھے۔" امام شافعی اور ان کے اصحاب کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ ان کو قرآن مجید کو لحن کے ساتھ سنتے ہوئے دیکھا گیا ہے:ان الشافعی رئی،مع اصحابه،یستمعون القرآن بالالحان اورانھوں نے کہا ہے: هذاایضا هواختیار ابن جریر طبری" کہ ابن جریر طبری نے بھی اسے ختیار کیا ہے۔" اور ابن جریج سے روایت کیا گیا ہے کہ انھوں نے عطا سے لحن، غنا اور حدا کے ساتھ قراءت کے بارے میں سوال کیا تو عطا نے کہا:وما باس ذلک یا بن اخی۔[17]" اے میرے بھائی کے بیٹے اس میں کیا حرج ہے؟" ابن قیم نے زاد المعاد میں میں ذکر کیا ہے:ان المحرم لا بدان یشتمل علی مفسدة راجحةاوخالصة،وقرأ ة التطریب والالحان لا تتضمن شئیا من ذلک،فا نهالاتخرج الکلام عن وضعه،ولا تحول بین ا لسامع وبین فهمه۔[18] "حرمت اس قراءت کی ہے جو واضح طور پر مفسد ہو یا فساد کو راجح ہو اور لحن وطرب کے ساتھ قراءت ان میں سے کسی چیز کو شامل نہیں ہے، وہ کلام کو معنی موضوع لہ سے نکالتی ہے نہ ہی سامع اور اس کے فہم کے درمیان رکاوٹ بنتی ہے۔"

صاحب زاد المعاد نے تطریب و تغنی کے ساتھ قراءت قرآن مجید کے معاملے میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جب طبیعت اس کی متقاضی ہو اور ان کی ادائیگی تکلف، مشق اور تعلیم کے بغیر ہو تو دونوں مستحسن ہیں، اور اسے نفوس انسانیہ، قبول کرتے ہیں اور حلال بھی سمجھتے ہیں اور یہی وہ صورت ہے جس کو سلف صالحین قراء ت کرنے اور سننے میں اپناتے تھے، جس سے سامع اور تلاوت کرنے والا متاثر بھی ہوتا ہے اور یہ کہ: " الحان مرکب بسیط " کی وہ اقسام جو مخصوص اندازو من گھڑت اوزان کے ساتھ سیکھی جائیں اور ان کا حصول تکلف و تعلیم کے بغیر نہ ہو تو یہ وہ صورتیں ہیں جن کے ذریعے قرآن کو سلف صالحین نے ناپسند کیا

---

[16] القشیری، صحیح مسلم، 546:1؛ عبد اللہ محمد بن أبی شیبہ (م235ھ)، مصنف ابن ابی شیبہ (ہند: دار السلفیۃ، س ن)، 463:10 ۔

[17] محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن جریز الزرعی ابن قیم الجوزیۃ (م751ھ)، زاد المعاد (قاہرۃ: مطبعۃ السعادۃ، 1323ھ)، 135:1۔

[18] ابن قیم، زاد المعاد، 136:1۔

ہے۔[19] مرد جب عمدہ ولطیف آواز کے ساتھ قرآن کریم کی قراءت کریں تو اسلام میں عورتوں کے لیے ان کی قراءت سننے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان ابا موسی الا شعری قام لیلة یصلی،فسمع ازواج النبی ﷺ وکان حلوالصوت، فقمن یسمعن،فلما اصبح قیل له،ان النساء کن یسمعن! فقال لوعلمت لحبرتکن تحبیرا،ولشوقتکن تشویقا۔[20]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک رات کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات نے ان کی آواز کو سنا۔ چونکہ آپ شیریں آواز کے مالک تھے، پس وہ کھڑے ہو کر سننے لگیں۔ جب صبح ہوئی تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ ازواج مطہرات آپ کی تلاوت سن رہی تھیں، تو انھوں نے کہا اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں مزید عمدہ اور لطیف آواز میں تلاوت کرتا اور ان کے شوق میں اضافہ کرتا۔

مختصر یہ کہ قراءتِ قرآن کا تطریب و تلحین اور ترنم کے ساتھ ہونا بھی لوگوں کو قراءت قرآن کی طرف متوجہ کرتا ہے اور نفوس انسانیہ پر زیادہ موثر ہے۔ لوگ توخطِ قرآن مجید کے خوب صورت ہونے کو بھی پسند کرتے ہیں۔ ممالک اسلامیہ نے اس میں صدیوں اپنی کاوشیں صرف کی ہیں۔ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ قراءت کی خوب صورتی کی اہمیت کتابت کی عمدگی سے کم نہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دونوں کی خوب صورتی و عمدگی کا مقصد ایک ہی ہے اور وہ لوگوں کی تلاوتِ قرآن میں رغبت اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا شوق پیدا کرنا ہے۔

مانعین کے دلائل

عدم جواز کے قائلین میں انس بن مالک (م93ھ)، سعید بن مسیب (م189ھ)، سعید بن جبیر (م95ھ)، محمد بن سیرین (م110ھ)، محمد بن حسن (م189ھ)، سفیان بن عیینہ (م198ھ)، حسن بصری (م110ھ)، ابراہیم حربی (م285ھ)، ابراہیم نخعی (م93ھ)، ثعلب نحوی (م291ھ) اور ابن بطۃ عکبری (م317ھ) وغیرہ ہیں۔ یہی امام مالک اور احمد (م241ھ) کا مذہب ہے اور ایک روایت مذہب شافعی میں بھی یہی ہے۔ اس گروہ کے دلائل کی بنیادیں اور ان سے ان کا استدلال حسب ذیل ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (م91ھ) سے روایت ہے۔ خرج علینا رسول الله ﷺ و نحن نقرا القرآن و فینا الاعرابی والاعجمی فقال: اقرؤا فکل حسن، وسیجیئ اقوام یقیمونه کما یقام القدح، یتعجلونه ولا یتاجلونه۔ "رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے جب کہ ہم قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ ہمارے درمیان اعرابی و عجمی سب موجود تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا، تم پڑھو، سب اچھا ہے۔ عنقریب ایسی قومیں آئیں گی، جو اسے ایسا سیدھا کر دیں گی جیسا کہ پیالہ گھڑا جاتا ہے، وہ اسے جلدی جلدی پڑھیں گے تاخیر نہیں کریں گے۔"[21] یہ حدیث دو آدمیوں کے درمیان قراءت کی ادائیگی میں اختلاف پر دلیل ہے، اور نبی کریم ﷺ نے دونوں کی قراءت کو برابر عمدہ قرار دیا ہے۔ حضرت عابس

---

[19] ابن قیم، زاد المعاد، 1: 137-138۔

[20] ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع الزہری البصری (م230ھ) الطبقات الکبری (بیروت: س ن)، 2: 344-345۔

[21] محمد شمس الحق عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد (مدینۃ: مکتبۃ السلفیۃ، س ن)، 5:59۔

غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:"میں نے رسول اللہ ﷺ کو چار خصال کے سبب اپنی امت پر خوف کا اظہار کرتے ہوئے سنا: فیصلوں کو بیچنا، خون ریزی کو ہلکا سمجھنا، قطع رحمی کرنا اور جب لوگ قرآن کو مزامیر بنالیں اور کسی ایسے آدمی کو امام بنائیں جو نہ تو زیادہ فقیہہ ہو اور نہ ہی کسی اور فضیلت کا مالک ہو، لیکن اس کا غنا انھیں باقی سب چیزوں سے مستغنی کر دے۔"[22] اور ایسے قراء پیدا ہو چکے ہیں جو قرآن مجید کو مزامیر اور الحان کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ دنیا کے فوائد کے حاصل کرنے کے لیے لوگوں کی سماعتوں کو ان کے ساتھ محظوظ کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ بن یمان (م 83ھ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم قرآن کو لحون عرب اور ان کی آوازوں میں پڑھو۔ اہل کتاب اور فساق کے لہجوں سے بچو۔ کیوں کہ میرے بعد ایسی اقوام آئیں گی جو قرآن میں غناء اور نوح جیسی ترجیع کریں گی۔ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے دل اور ان کی شان پر تعجب کرنے والوں کے دل فتنے میں مبتلا ہوں گے۔"[23] اس زمانے کے قرّاء اور ان پر تعجب کرنے والے اس وصف سے خالی نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس (م 68ھ) رضی اللہ عنہ نے فرمایا:"نبی کریم علیہ السلام کا ایک مؤذن اذان میں طرب پیدا کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اذان آسانی اور نرمی کے ساتھ ہے۔ اگر تیری اذان سھل اور سمح ہو تو ٹھیک ورنہ تم اذان نہ دینا۔"[24] اور بخاری (م ۲۵٦ھ) نے تعلیقا بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز (م 101ھ) نے اپنے مؤذن کو فرمایا: "اذان نرم لہجے میں دو ورنہ ہم سے جدا ہو جاؤ۔"[25] اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر تطریب و تلحین جائز ہوتی تو ایسی اذان کی ممانعت نہ ہوتی، جب اذان میں طرب پیدا کرنے سے منع کیا گیا ہے، تو قراءتِ قرآن میں تطریب و تلحین بدرجہ اولی منع ہو گی۔ ابن قیم نے زاد المعاد میں اور قرطبی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ زیاد نمیری انس بن مالک کے پاس کچھ قراء کے ساتھ حاضر ہوئے، تو اس کو قراءت کرنے کے لیے کہا گیا۔ اس نے بلند آواز میں قراءت کی اور اس میں طرب پیدا کیا، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے چہرہ سے نقاب الٹا اور فرمایا، اے فلاں! یہ کیا ہے؟ [26] آپ رضی اللہ عنہ کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتے تو اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیتے تھے۔ گویا نبی کریم ﷺ کے زمانے میں قراءت میں تطریب نہیں تھی۔ اسی لیے انس بن مالک نے اس قراءت کا انکار کیا ہے، اور امام احمد نے بھی نبی کریم ﷺ کی ترجیع بالقرآن کو الحان کے معنی میں لینے سے انکار کیا ہے۔
عدم جواز کے قائلین کے نزدیک تلاوت قرآن میں تغنی اور تطریب کا ہونا ایسے ہے، جیسا کہ قاری قرآن میں اس چیز کا اضافہ کر رہا ہے، جو اس میں نہیں، یا جو اس میں ہے اس کا حذف کر رہا ہے، جیسے کہ ترنّم کی موافقت کے سبب حرف کا حذف وغیرہ۔ مزید برآں یہ بات واضح ہے کہ تطریب وغنا دل کو لغو میں ڈالتا ہے، اور انسان کو آیات قرآنیہ میں تدبر و تفکر سے روکتا

---

[22] شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، اقتضاء الصراط المستقیم (مصر: مطابع السنۃ المحمدیۃ، س ن)، 168۔

[23] احمد بن حنبل الشیبانی (م 241ھ)، مسند احمد (بیروت: مکتب الاسلامی ودار صادر، س ن)، 494:4؛ مزید دیکھیے، ابو عبید قاسم بن سلام الہروی (م 224ھ)، غریب الحدیث (دکن: دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد) 141:2۔

[24] نورالدین علی بن أبی الہیثمی، (م 807ھ)، مجمع الزوائد (بیروت: دارالکتاب العربی، س ن)، 169:7؛ حکیم ترمذی (م 255ھ)، نوادر الاصول (بیروت: دار صادر، س ن)، 334۔

[25] بخاری، صحیح البخاری، 87:2۔

[26] ابن قیم، زاد المعاد، 491:1؛ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (م 671ھ) الجامع لاحکام القرآن (المصریۃ: دار الکتب، 1950ء)، 10:1۔

ہے۔ اس بنا پر ان کے نزدیک قراءت میں تلحین وتطریب بدعت ہے۔[27]سنن دارمی میں ہے: انهم كانوايرون هذه الالحان في القراءة محدثة۔[28] " وہ قراءت میں ان الحان کو نئی چیز شمار کرتے تھے۔"ابوالا حوص محمد بن الہیثم (م407ھ)کا کہنا ہے:لئن اسمع الغناء احب الی من ان اسمع قراء ة الالحان۔[29]" مجھے گانا سننا زیادہ پسند ہے،اس بات سے کہ میں لحن کے ساتھ قراءت سنوں۔"لحن کے ساتھ قراءت عموماً غلاموں کے ہاں پائی گئی ہے، جیسا کہ تیسری صدی کے آخر سے ہیثم اور محمد بن سعید ترمذی (م255ھ)ہیں۔علماے سلف نے نہ صرف ان کی قراءت کی مخالفت کی اور اسے چھوڑ دیا ہے، بلکہ فتوی دیا ہے کہ جو قرآن کی قراءت تمطیط اور الحان کے ساتھ کرے اس کو سخت سزا دی جائے اور قید کر دیا جائے ، یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔چنانچہ لکھتے ہیں:یضرب ضرباوجیعا ویحبس حتی یتوب۔[30]اور خلال نے"الامر بالمعروف والنھی عن المنکر"میں ذکر کیا ہے کہ کان الہیثم هذا مخنثا مملوكا لرجل فحبسه سيد ه في السجن،وحلف عليه الا يخرج حتى يقراء القرآن، فقراء ه ووضع فيه هذه الالحان۔ [31]"ہیثم خنثیٰ تھا اور ایک آدمی کا غلام تھا۔ اس کے آقا نے اس کو قید کر دیا اور قسم اٹھائی کہ جب تک وہ قراءت قرآن نہ کرے گا وہ اس کو رہا نہ کرے گا۔تو اس نے قرآن کو پڑھا اور اس میں ان الحان کو استعمال کیا۔"

علامہ قرطبی نے قاسم بن محمد (م102 ھ) جو فقہاے سبعہ میں سے ہیں، کے بارے میں روایت کیا ہے:ان رجلا قراء في مسجد النبي ﷺ فطرب فانكر ذلك۔[32]"ایک آدمی نے مسجد نبوی میں قراءت کی اور اس میں طرب پیدا کیا تو قاسم نے اسے ناپسند کیا اور کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:اِنَّهٗ لَكِتٰب٘ عَزِيْز٘ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ م بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْل٘ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۔ [33]"بے شک یہ بڑی عزت (حرمت) والی کتاب ہے۔اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ اس کے پیچھے سے یہ اتری ہوئی ہے بہت بڑے حکمت والے، سب خوبیاں سراہے کی طرف سے۔"اور ان کے اس آیت سے استشہاد میں یہ دلیل ہے کہ ان کے نزدیک قراءت میں تطریب باطل ہے، جس سے قرآن مجید کا پاک ہونا ضروری ہے۔ابن بطتہ عکبری (م387ھ) کے نزدیک الحان کے ساتھ قراءتِ قرآن اور اذان اور ان دونوں کو غنا کے ساتھ تشبیہ دینا بدعت ہے۔[34] ابن کیال دمشقی (م929ھ) نے الحان کے ساتھ قراءتِ قرآن کی نہی کے بارے میں کتاب

---

[27]ابو بکر احمد بن محمد الخلال(م311ھ)،الامر بالمعروف والنھی عن المنکر،(قاہرۃ:دارالاعتصام، س ن)،129۔

[28]دارمی، سنن دارمی،2:447۔

[29]ابو بکر احمد بن محمد الخلال(م311ھ)، خلال،الامر بالمعروف والنھی عن المنکر،178۔

[30]برہان الدین بن ابراہیم البقاعی(م885ھ)، مصاعد النظر للاشراف علی مقاصد السور(ریاض: مکتبۃ المعارف، س ن)،1:312۔

[31]ابو بکر احمد بن خلال(م311ھ)الامر بالمعروف والنھی عن المنکر،،178۔

[32]بخاری، اَبوعبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری(م256ھ)، خلق افعال العباد،34۔

[33]حٰم السجدۃ42: 41-42۔

[34] القرطبی،،الجامع لاحکام القرآن،1: 10۔

رقم کی ہے، جس کا نام انھوں نے "الانجم الزواهر فی تحریم القراء ة بلحون اهل الفسق والکبائر" رکھا ہے۔[35] قاضی مصر (م237ھ) حارث بن مسکین الحان کے ساتھ پڑھنے والوں کو مارتے تھے۔[36] عبد اللہ بن عبید بن عمیر لیثی نے حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان من اشراط الساعة اذارایتم الناس فا تواالصلوٰة، واضاعواالامانة، واحل،الربا، واستخفوابالدما،وباعواالدین بالدنیا،وشربت الخمور، وعطلت الحدود و اتخذوا القرآن مزامیر، کذب الصادق وصدق الکاذب، ولعن آخر هذه الامة اوّلها، فلیتو قعوا نزول البلاء بهم۔ [37]

جب تم لوگوں کے اندر ان چیزوں کو پاؤ تو یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ نماز کو چھوڑنا، امانت کو ضائع کرنا، سود کو حلال سمجھنا، خون ریزی کو ہلکا خیال کرنا، دین کو دنیا کے بدلے بیچنا، شرابوں کا پیا جانا، سرحدوں کا غیر محفوظ چھوڑا جانا، لوگوں کا قرآن کو مزامیر بنالینا، سچے کو جھٹلانا، جھوٹے کو سچا کہا جانا اورامت کے آخری لوگوں کا پہلوں کو لعن کرنا، توان چیزوں کو پائے جانے کے وقت بلاؤں کے نزول کی توقع رکھو۔

اس حدیث میں جن چیزوں کی نشان دہی نبی کریم ﷺ کی طرف سے کی گئی ہے، آج کے اس دور میں وہ پائی جارہی ہیں حتی کہ تلاوت قرآن کے حوالے سے جو پیش گوئی کی گئی ہے، وہ بھی آج من وعن پوری ہو رہی ہے۔ یعنی بعض اوقات قرّاء حضرات لوگوں کی پسند اور ناپسند کو دیکھتے ہوئے قواعد و قراءت کا خیال کیے بغیر قراءت کرتے ہیں۔ اور اس میں قرآن کو مزامیر بنانے سے یقیناڈرایا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس قسم کی بدعات کے پائے جانے سے پہلے موت کی تمنا کی ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے:" ان یتخذ الناس القرآن مزامیر[38]" کہ لوگ قرآن کو مزامیر بنالیں۔"

سعید بن عبد الرحمن زبیدی (م156ھ) کہتے ہیں:انه یعجبینی من القراء کل سهل طلق مضحاک،یشوش فاما من تلقا ه بالبشرویلقاک بالعبوس کانه یمن علیک بعمله فلا کثر الله فی القراء مثله۔[39] "ایسے قراء جو ہنس مکھ ہوں، آسانیاں پیدا کرنے والے ہوں، عمدہ قراءت کرنے والے ہوں، مجھے بہت پسند ہیں اور ایسے قراء (ناپسندیدہ ہیں) جن کو تُو، توکشادہ پیشانی سے ملے جب کہ وہ تجھے ناپسندیدگی سے ملیں، ایسے جیسے کہ انھوں نے اپنے عمل سے تجھ پر احسان کیا ہوا ہے۔ اللہ ایسے قراء کو غلبہ نہ دے۔" حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ سے روایت ہے:قال رسول الله ﷺ:اکثر

[35] اسماعیل بن محمد امین، من ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون عن اسماء الکتب والفنون (بیروت: دار العلوم الحدیثیۃ، س ن)، 1: 131۔

[36] جمال الدین ابو المحاسن یوسف الاتابکی، ابن تغری بردی (م874ھ)، النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ (المصریۃ: دار الکتب، 1956ء)، 2:289۔

[37] ابو عیسیٰ محمد بن سورۃ (م279ھ)، جامع الترمذی (قاہرۃ: مکتبۃ الاسلامیۃ، س ن)، 4:494۔

[38] احمد بن حنبل، مسند احمد، 3:494۔

[39] ابن قیسرانی (م507ھ)، کتاب السماع، (قاہرۃ: لجنۃ احیاء التراث، س ن)، 94، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی الدنیا (م281ھ)، کتاب الاخوان (قاہرۃ: دار الاعتصام، س ن)، 196۔

منافقی امتی قراؤ ھا[40]۔ "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے زیادہ تر منافق قراء ہیں۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ قراءت کا اس کے تقاضوں کے مطابق نہ ہونا نفاق کی علامت ہے۔ اخلاص کے بغیر قراءت خواہ کتنی عمدہ ہو اس کے کرنے والے کے لیے کوئی اجر نہیں، جیسا کہ منافق کے لیے عمل کا کوئی اجر نہیں۔ اس حدیث کے متعلق بغوی (م516ھ) نے شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ کام میں اخلاص کا ترک کرنا، جس کی عادت ہو جیسا کہ تاجر کے بارے میں ہے: التاجر فاجر، اذااعتاد التاجر الکذب فی البیع والشراءلا ان نفس التجارة فجور بل ھی امر ماذون فیه مباح فی الشرع۔[41] "تاجر فاجر ہے، جب وہ خرید و فروخت میں جھوٹ بولنے کا عادی ہو، نہ کہ اصل تجارت فجور ہے، بلکہ اس کی اجازت دی گئی ہے اور شرح میں مباح ہے۔" ابن خلدون (م808ھ) کہتے ہیں: "بہت سارے قراء اپنی آوازوں میں لحن کے ذریعے قرآن کریم کی عمدہ قراءت کرتے ہیں، گویا کہ وہ مزامیر ہیں۔ وہ اپنے نغموں کی مناسبت (اس مناسبت سے مراد جو ترکیب کے ذریعے واقع ہوئی ہے۔) اور خوب صورت مساق کے سبب طرب پیدا کرتے ہیں۔ تمام لوگ اس کو جاننے میں برابر نہیں ہیں، اور نہ ہی تمام طبائع اس کے ذریعے عمل میں اپنے صاحب کے موافق ہوتی ہیں۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو قرآن کی تلاوت علم موسیقی کے تابع کرتے ہیں۔ مالک علیہ الرحمۃ نے تلحین کے ساتھ قراءت کو ناپسند کیا ہے، جب کہ امام شافعی نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اور اس سے مراد تلحین موسیقی نہیں ہے، کیونکہ اس کی ممانعت میں اختلاف کی گنجایش ہی نہیں۔

بناوٹِ غناء ہر طرح سے تقدسِ قرآن سے جدا ہے۔ حروف کی ادا کے معین ہونے کے سبب، قراءت اور اس کی ادائیگی، آواز کی ایک خاص مقدار کی محتاج ہوتی ہے، نیز تلحین کے لیے بھی آواز کی ایک خاص مقدار متعین ہوتی ہے جس کے بغیر اس کا اتمام ممکن نہیں ہوتا۔ اس تناسب کے باعث جو ہم نے حقیقت تلحین میں بیان کیا ہے، جب ان دونوں کا تعارض ہو جائے تو ان میں سے کسی ایک کا اعتبار دوسرے کے بغیر ہوتا ہے۔

اداءِ معتبر اور تلحین کا اجتماع قرآن مجید میں کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ ان کی مراد تلحینِ بسیط یعنی اپنی آوازوں کو ایسی مناسبت سے لوٹانا جس کا ادراک غنا وغیرہ کو جاننے والا ہی کر سکتا ہے، وہ کسی صورت بھی مناسب نہیں، جیسا کہ مالک (م 179ھ) نے کہا ہے اور یہی محلِ اختلاف ہے۔ ابن خلدون نے اسی کی اتباع کرتے ہوئے کہا ہے: والظاھر تنزیه القرآن من ھذا کله، لان القرآن محل خشوع بذکرالموت وما بعده ولیس مقام التذاذ با دراک الحسن من الاصوات۔[42] "قرآن کا ان تمام چیزوں سے پاک ہونا ظاہر ہے، کیونکہ قرآن موت اور مابعد الموت کے ذکر کے سبب محل خشوع و خضوع ہے، نہ کہ خوب صورت آوازوں کے ذریعے حصولِ لذت کا مقام۔" اور صحابہ کی قراءت بھی ایسی ہی تھی اور نبی کریم ﷺ کے فرمان: لقد اوتی مزمارامن مزامیر آ ل داؤد۔[43] "تمھیں آل داؤد کے مزامیر میں سے مزمار عطا کیے

[40] مسند احمد، 2:175؛ مزید تفصیل کے لیے، بخاری، تاریخ الکبیر (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، س ن)، 1:257؛ ابو جعفر، الفریابی (م 301ھ)، صفۃ النفاق وذم المنافقین، (مصر: دار الصحابۃ للتراث، 1408ھ)، 73۔

[41] حسین بن مسعود الفراء البغوی (م516ھ)، شرح السنۃ (بیروت: مکتب الاسلامی، س ن)، 1:77۔

[42] عبد الرحمن محمد ابوزید ولی الدین ابن خلدون (م808ھ)، مقدمۃ ابن خلدون (قاہرۃ: لجنۃ البیان، العربیۃ، 1962ء)، 32: 425-426۔

[43] ابن خلدون، مقدمہ، 32: 425-426۔

گئے ہیں۔" سے مراد تردید یعنی ترجیع نہیں بلکہ اس کا مطلب قراءت کی ادائیگی اور آواز کا خوبصورت ہونا ہے، نیز مخارجِ حروف اور ان کے مطابق ادائیگی کا جدا جدا ہونا۔ حسن بن عبد العزیز جروی (م258ھ) کہتے ہیں:

اوصى الى رجل بوصية وكان فيما خلف جارية تقراء بالالحان،وكانت اكثر تركته او عامتها فسائلت احمد بن حنبل(م241ھ)والحارث بن مسكين(م250ھ) وابا عبيد (م227ھ) كيف ابيعها؟فقالوا: بعهاساذجة،فاخبر تهم بما فيها من النقصان، فقالوا:بعها ساذجة، وانما قالواذلك لان سباع ذلک لا يجوز ان يعاوض على كالغناء۔[44]

قائلین ومانعین کے دلائل کا جائزہ

طرفین کے درمیان اختلاف کا سبب حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ (م72ھ) سے مروی حدیث"زينو االقرآن با صواتكم"اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (م59ھ) سے مروی حدیث" ليس منا من لم يتغن با لقرآن "ہے۔جواز کے قائلین ان دونوں کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں اور مانعین ان دونوں سے ترنم اور تلحین کے بغیر حسنِ صوت اور تزئین صوت مراد لیتے ہیں، اور وہ تغنی کو استغناء اور بلند آوازی پر محمول کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مغفل (رضی اللہ عنہ) سے ترجیع کی قراءت کے بارے مروی حدیث قراءت میں تلحین کے جواز پر دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں لحن کا ذکر نہیں ہے، اور نبی کریم ﷺ کی قراءت میں ترتیل ہوتی تھی، جیسا کہ حضرت عائشہ کا فرمان ہے:"ان النبی ﷺ يقراء بالسورة فير تلها حتى تكون اطول من اطول منها"[45] یعنی نبی کریم ﷺ کسی بھی سورۃ کی تلاوت یوں ترتیل کے ساتھ کرتے تھے یہاں تک کہ وہ اپنے سے لمبی سورتوں سے بھی لمبی ہو جاتی۔" بہت سارے صحابہ کرام نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ صحابہ کی صداقت نص قرآنی سے ثابت ہے۔ ترجیع کے دو معانی ہو سکتے ہیں۔ غناء کے ساتھ آواز کا بلند کرنا اور کلام کا تکرار کرنا اور لوٹانا۔ پہلا معنی تو کسی صورت میں مراد نہیں لیا جا سکتا ہے، لہٰذا دوسرا معنی ہی مراد ہو گا، کیونکہ وہ ترتیل کے موافق ہے اور عموما آپ ﷺ کی حدیث بیان کرنے کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ اگر کوئی آپ کی گفت گو کے الفاظ شمار کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔ امام قرطبی نے ترجیع کو سواری کے ہچکولوں کے سبب پیدا ہونے پر محمول کیا ہے۔[46] نبی کریم ﷺ کی قراءت کی ایک خوبی یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ: انهاالمدليس فيه ترجيع۔[47]" وہ ایسی مد کے ساتھ ہوتی جس میں ترجیع نہ ہو۔" عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے ترجیع بیان نہیں کی بلکہ آپ کی قراءت بیان کی ہے۔ اور انھوں نے اپنے اس قول پر ان الفاظ کا اضافہ نہیں کیا:قراء سورة الفتح فرجع فيها" کہ آپ نے سورۃ الفتح کی قراءت کی اور اس میں ترجیع کی"۔ معاویہ بن قرۃ (م113ھ) نے حضرت عبد اللہ (م32ھ) سے ترجیع سے ممانعت کے بارے میں حدیث روایت کی ہے:لو لا ان يجتمع

---

[44] ابو بکر احمد بن خلال، الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، 177۔

[45] ابو عیسیٰ محمد بن سورۃ (م279ھ)، جامع الترمذی (قاہرۃ: مکتبۃ الاسلامیۃ، س ن)، 2: 212۔

[46] القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 1: 16؛ مزید تفصیل کے لیے، ابن حجر، احمد بن حجر العسقلانی (م852ھ)، فتح الباری شرح صحیح البخاری (قاہرۃ: مطبعۃ السلفیۃ ومکتبھا، س ن)، 13: 515۔

[47] نور الدین علی بن أبی الہیثمی (م807ھ)، مجمع الزوائد (بیروت: دار الکتاب العربی، س ن)، 7: 169۔

الناس علیکم:او علی،لرجعت کمارجع ابن مغفل۔"مجھے تم پر اور اپنے پاس لوگوں کے جمع ہونے کا خطرہ نہ ہو تا تو میں ابن مغفل کی طرح ترجیع کرتا۔" یہ قول قراءت کے ترجیع کے ساتھ ہونے کا فائدہ دیتا ہے،یعنی آواز کی خوب صورتی کا غنا کی طرز پر ہونا، جس کو کان توجہ سے سنتے ہیں اور دل جس کی طرف مائل ہوتے ہیں، ورنہ عبداللہ بن مغفل کے لیے نبی کریم ﷺ کی آواز کی حکایت بیان کرنے سے کون سا امر مانع تھا! پھر اگرچہ اس کی مثل پر لوگوں کا اجتماع شروع ہوتا، وہ آپ ﷺ کی آواز کی حکایت اور آپ کے فعل سے نہ رکتے۔ ان سے حضور ﷺ کی ترجیع کی کیفیت کے متعلق سوال کیا گیا تو عبداللہ بن مغفل نے کہا۔ آ۔۔۔ آ۔۔۔ آ۔۔۔ ثلاث مرات۔ معاویہ بن قرۃ نے اپنے علاوہ کی مخالفت کے باوجود کہا ہے کہ اس کو یا تو مد اشباعی پر محمول کیا جائے، بغیر محل کے، جیسا کہ بعض عربوں کی لغت ہے، یا جس طرح قرطبی (م67ھ) نے کہا ہے "کہ نبی کریم ﷺ کی یہ کیفیت سواری کے ہچکولوں کے سبب ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب کسی دلیل کے بہت سے احتمالات ہوں تو اس کے ذریعے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ (م40ھ) سے روایت ہے:کان النبی ﷺحسن الصوت مادا لیس له ترجیع "[48]" نبی پاک ﷺ کی آواز طبعی (قدرتی)طور پر خوب صورت تھی اس میں ترجیع نہیں تھی۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث:"مااذن الله لشیئ ما اذن لنبی ان یتغنی با لقرآن" [49]"یتغنی بالقرآن" کا مطلب ہے "یجھربه" یعنی بلند آواز سے قرآن پڑھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:"واذ نت لربها وحقت۔"[50] سفیان بن عیینہ نے تغنی کی وضاحت استغنا کے ساتھ کی ہے اور اس سے آواز کے معنی نہیں لیے۔ ابو عبید قاسم بن سلام(م224ھ) نے بھی اس کی موافقت کی ہے اور کہا ہے:لیس للحدیث عندی وجه غیر هذا۔" میرے نزدیک اس کی اور کوئی توجیہ نہیں ہے۔" عبداللہ بن ابی نہیک، سعد بن ابی وقاص (م56ھ) کے ہاں گئے تو ان کے پاس پرانا مال سامان پڑا تھا، تو انھوں نے کہا رسول اللہ نے فرمایا:"لیس منا من لم یتغن بالقرآن۔" ابو عبید نے کہا، اس کا حدیث کے ساتھ رثاثت المتاع والمثال کا ذکر کرنا اس بات کی تنبیہہ ہے کہ اس نے مال قلیل کے ساتھ استغنا مراد لیا ہے۔[51] اور اس کے ساتھ آواز کا تعلق نہیں ہے۔ اس سے حضرت عبداللہ بن مسعود (م32ھ) کی حدیث کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ جس نے سورہ اٰل عمران پڑھی وہ غنی ہے۔[52] اور وہ حدیث کہ حامل قرآن کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ زمین والوں میں سے کسی کو اپنے سے زیادہ غنی جانے اگرچہ وہ ساری دنیا کا مالک ہو۔[53] اس سے پتہ چلا کہ کلام عرب اور ان کے اشعار میں تغنی استغنا کے معنی میں واضح طور پر استعمال ہوا ہے۔ اور اس حدیث کا معنی ہے، اپنی آوازوں کو قرآن کے ساتھ مشغول کرو؛ اس کی قراءت کے

[48] جمال الدین علی بن محمد السخاوی (م643ھ)، جمال القراء و کمال الاقراء (مکۃ المکرمۃ: مکتبۃ التراث، س ن)،5: 525؛ العسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری،9: 97۔

[49] بخاری مع الفتح،1: 13۔

[50] الانشقاق84: 2۔

[51] ابو عبید قاسم بن سلام الہروی (م224ھ)، غریب الحدیث (حیدرآباد دکن: دائرۃ المعارف العثمانیۃ، س ن)2: 140، 169۔

[52] دارمی، سنن دارمی،2: 452۔

[53] الہیثمی، مجمع الزوائد،7: 159۔

ذریعے غور و فکر کرو؛ اسے اپنی زینت اور شعار کی علامت بناؤ، اس سے آواز کے ذریعے طرب اور حزن مراد نہیں لیا جا سکتا، کیونکہ ہر جگہ اس کی گنجایش نہیں ہے۔ اسی معنی کے سبب اعرابی (م 231ھ) نے کہا ہے کہ عرب رکبانی کے ساتھ تغنی کرتے تھے اور وہ تمطیط اور مد د کے ساتھ گانا ہے، جب وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوتے یا اترتے یا جب کسی محفل میں بیٹھتے، بلکہ اکثر حالات میں تو جب قرآن کریم نازل ہوا تو نبی کریم ﷺ نے پسند کیا کہ قرآن کی تلاوت "تغنی بالرکبانی" کی جگہ عادات میں شامل ہو۔ حضرت عبداللہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ (م 59ھ) سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو سورۃ الفتح کی قراءت کرتے ہوئے دیکھا تو اس بارے میں انھوں نے فرمایا "لو لا ان یجتمع الناس علینا لحکیت لکم تلک القراءۃ۔"[54] اور طاؤس (م 106ھ) کا کہنا ہے کہ لوگوں میں سے قرآن کے سب سے اچھے قاری قرآن وہ ہیں جو ان میں اللہ سے زیادہ ڈرنے والے ہیں اور عبید نے کہا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث پاک: "ما اذن اللہ لشئ ما اذن لنبی یتغنی بالقرآن" کی تاویل ہے۔ اور ابو عبید کا کہنا ہے کہ بعض نے اذن الف کے کسرہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ انھوں نے اذن بمعنی استیذان مراد لیا ہے، لیکن اس کی میرے نزدیک کوئی وجہ نہیں۔ نیز اس کے لیے اس کے اذن کی نسبت اس کے اذن سے کیسے زیادہ ہے! اس ذات کی توجہ اپنی توحید اور اطاعت میں قرآن میں توجہ سے زیادہ اور اعظم ہے۔ اذن کا استعمال اذن کی نسبت کیسے زیادہ ہو سکتا ہے، جس نے اس کے لیے اذن اختیار کیا ہے! اس کی توحید اور اطاعت بلند آواز سے اس کی قراءت میں اذن سے زیادہ عظیم ہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (م 44ھ) کی حدیث: لقد اوتیت مزمارا من مزا میر داؤد سے مراد کسی آدمی کی آواز کا پیدائشی طور پر حضرت ابو موسیٰ اشعری کی آواز کی مثل ہونا ہے، جس میں تکلف اور کسی غیر کے لحن کی پیروی نہ ہو۔

امام احمد سے قراءت بالالحان کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ بدعت محدثہ ہے، مگر یہ کہ کسی کی آواز طبعی طور پر حضرت ابو موسیٰ اشعری کی آواز کی مثل ہو اور جو سیکھی جائے تو وہ ٹھیک نہیں ہے۔[55] اور ابو موسیٰ کا قول "لو علمت لحبرته لک تحبیرا" کا مطلب ہے میں اپنی خوب صورت آواز کے ساتھ قراءت کرنے میں جلدی کرتا، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اپنے سنے جانے کے بارے میں عدم علم کی وجہ سے تحبیر نہیں کر رہے تھے۔ اگر علم ہو تا تو ایسا ضرور کرتے۔ خوب صورت آواز کے ساتھ تیز قراءت کرنا، اہل تجوید کے ہاں معروف ہے۔ یعنی حدر کے ساتھ قراءت کرنا، اور حدر قراءت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ ابن جوزی (م 597ھ) کا کہنا ہے:

> قراء ۃ القرآن با لا لحان با صوات الغناء واوزانه وایقاعاته، مماحدث فی الاسلام المفضلة ...،وفی الحقیقة هذه الالحان المبتد عة المطربة تهیج الطباع و یتلذذ بمجردسماع النغمات الموازنة لا صوات المطربة وذلک یمنع المقصود من تدبر معانی القرآن۔[56]

---

[54] القشیری، صحیح مسلم، 1:547۔

[55] ابو بکر احمد بن خلال، الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، 169؛ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن مفلح حنبلی، شمس الدین محمد بن مفلح (م 763ھ)، الآداب الشرعیۃ والمنح المرعیۃ (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، س ن)، 6: 573۔

[56] ابن جوزی (م 597ھ)، نزہۃ السماع فی مسالۃ السماع (بیروت: دار العاصمۃ، س ن)، 85۔

الحان (یعنی غناء) اس کے اوزان وایقاعات کے ساتھ قرآن مجید کی قراءت (جو کہ اسلام میں فضیلت والی صدیوں کے گزرنے کے بعد وقوع پذیر ہوئی ہے۔) کو اکثر علمانے ناپسند کیا ہے۔ ان میں سے جنھوں نے اجماعی طور پر بغیر نزاع کے اس کو بیان کیا ہے، وہ امام ابو عبید وغیرہ ہیں۔ حقیقت میں یہ الحان مبتدعہ مطربہ طبیعتوں کے اندر ہیجان پیدا کرتے ہیں۔ موزوں نغمات اور خوش کن آوازوں کے سماع سے صرف طبائع لذت حاصل کرتے ہیں، جو کہ اصل مقصود یعنی معانی قرآن میں غور فکر سے مانع ہیں۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ قراءت میں تطریب و تلحین نفوس انسانیہ پر زیادہ موثر ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے، بلکہ لحن وغنا کے ساتھ قراءت قرآن کے حصول کی کوشش ہے۔ حالانکہ لحن کے ساتھ قراءت کی ممنوعیت کا قول اس بات سے منع کرتا ہے کہ قرآن مجید کو حرام کردہ غنا کے لحن کے ساتھ پڑھا جائے۔ کیونکہ شرعی قاعدہ یہ ہے کہ:دفع المفسد ة قبل جلب المصلحة۔[57]"مفاسد کو دور کرنا مصالح کے حصول پر مقدم ہے۔"پہلے مفسد چیزوں کو دور کیا جائے گا پھر منافع کے حصول کی طرف توجہ کی جائے گی۔ اسی طرح قراءت قرآن میں پہلے ممنوع چیزوں کے استعمال سے بچا جائے گا، پھر عمدہ اور اچھی آواز کی طرف توجہ دی جائے گی۔

حضرت حذیفہ (م36ھ) رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث "اقرؤ واالقرآن بلحون العرب... ضعیف ہے، کیونکہ بقیہ ولید بن صائد حمیری (م197ھ) ضعیف راوی ہے۔ ابن مبارک (م182ھ) نے اس کو صدوق شمار کیا ہے۔ لیکن یہ بھی کہا ہے کہ آگے پیچھے جو آئے لکھ دیتا ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ذکر کیا ہے کہ احادیث بقية ليست نقية، فكن منها على تقية كما فيه راو لم يسم۔[58]"بقیہ کی احادیث لینے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ وہ ملاوٹ سے پاک نہیں جس طرح کہ اس کی سند میں ایک راوی ایسا بھی ہے جس کا نام بھی ذکر نہیں کیا گیا۔"ڈاکٹر عبد العزیز القاری نے اپنے مضمون " قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنے کی شرعی حیثیت اور حدود" کے حاشیہ میں نقل کیا ہے کہ امام ذہبی اپنی کتاب میزان میں حصین بن مالک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس سے روایت کرنے میں "بقیہ" منفرد ہے، جو نا قابل اعتبار ہے۔ لہٰذا یہ خبر منکر ہے۔ اس کے منکر ہونے کی حقیقی وجہ یہ نہیں بلکہ اصل وجہ ابو محمد کا مجہول ہونا ہے۔ اس کے باوجود اس حدیث کا متن قابل اعتبار ہے کیونکہ متعدد روایات اس کے ثبوت پر شاہد ہیں۔[59]

ابن عباس (م68ھ) کی حدیث ان الاذان سهل سمح... کی اسناد ضعیف ہیں کیونکہ ان میں اسحاق بن ابی یحیی کعبی ہے،[60] جو کہ مناکیر روایات کرتا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ اس کے بارے میں رائے دینا جائز ہے اور نہ ہی اس کے ذریعے استدلال، مگر یہ کہ علی سبیل الاعتبار ہو۔ ابن عدی کا کہنا ہے اس نے دس منکر احادیث روایت کی ہیں۔

دونوں گروہوں کے دلائل کا تحقیقی جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جمہور (جو کہ لحن، مقامات وموسیقی کے ساتھ قراءت کی ممانعت کے قائل ہیں) کے دلائل زیادہ قوی اور واضح ہیں اور معتبر قواعد شرعیہ کے عین مطابق ہیں, کیونکہ ان کا موقف قرآن کریم کے تقدس کے پیش نظر زیادہ محتاط ہے۔ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کی جس قراءت کی

---

[57]شیخ محمد ناصر الدین البانی (م1420ھ)، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ وشیء من فقھھا وفوائدھا (ریاض: مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، 2015ھ)، 1: 106۔

[58]الہیثمی، مجمع الزوائد، 7: 169۔

[59]ڈاکٹر عبد العزیز القاری، قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنے کی شرعی حیثیت، ترجمہ۔ محمد اسلم صدیق (ماہنامہ محدث لاہور، جون 2002ء)، 35۔

[60]ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی (م356ھ)، الکامل فی الضعفاء الرجال (بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر، س ن)، 1: 332۔

حضور ﷺ نے تحسین فرمائی ہے وہ بھی حضرت ابو موسی رضی اللہ کی فطری آواز میں قراءت تھی، جو انھیں قدرت کی طرف سے عطا کی گئی تھی، اور وہ ایسی قراءت تھی جس میں قرآن مجید کے آداب، عظمت وو قار اور حروف کی صحتِ ادا کا خیال رکھا گیا تھا۔ لہٰذا ایسی خوش آوازی جو فطری طور پر حلق انسانی میں رکھی گئی ہے، اس کے ذریعے تلاوت قرآن کرنا معیوب نہیں بلکہ پسندیدہ ہے۔ دفع المفسد ة قبل جلب المصلحة[61] کے تحت قراءت قرآن میں پہلے ممنوع چیزوں کے استعمال سے بچا جائے گا، پھر عمدہ اور اچھی آواز کی طرف توجہ دی جائے گی۔

خلاصۂ بحث

حروف کی ادائیگی کے معین ہونے کے سبب، قراءت اور اس کی ادائیگی آواز کی ایک خاص مقدار کی محتاج ہوتی ہے، اور تلحین کے لیے بھی آواز کی ایک خاص مقدار متعین ہوتی ہے، جس کے بغیر اس کا اتمام ممکن نہیں ہوتا ، نیز انغام، الحان اور مقامات صوتیہ صوتی علم ہے، جو کہ گھڑ سوار غنا اور معازف میں آلات پر استعمال کرتے تھے۔ مقاماتِ موسیقی کے ساتھ قراءت کی تعلیم عموما جن لوگوں سے سیکھی جاتی ہے، وہ اہل غنا اور معازف ہیں، اس لیے یہ تو انسان کا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، نیز اس کے معیار زمانیہ ہیں۔ بعض اوقات وہ اپنی مدات اور غنات میں چھوٹا اور لمبا ہونے میں حروف قرآن کے ساتھ متعارض ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسے مقام پر حروفِ قرآن کے مخارج وصفات کا لحاظ کیا جائے گا، نہ کہ انغام، الحان اور مقاماتِ صوتیہ کا، کیونکہ ایسا کرنے سے الفاظ وحروفِ قرآن کی ادائیگی میں نقص لازم آئے گا۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ قائلین بھی کچھ قواعد وضوابط کے ساتھ لحن کو جائز سمجھتے ہیں؛ مطلقاً وہ بھی الحان اور مقاماتِ صوتیہ کے ساتھ قراءت کے قائل نہیں ہیں۔ تلاوتِ قرآن میں اصل تو قراءت یعنی الفاظ قرآن کی درست ادائیگی (حروف کو ان کے مخارج وصفات کے ساتھ ادا کرنا) ہے۔ لَے اور سُر ایک زائد وصف ہے، جس کے ذریعے تلاوت کو قائلین نفوس انسانیہ پر زیادہ مؤثر سمجھتے ہیں۔ دونوں گروہوں کے دلائل میں البتہ تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ جب قواعدِ تجوید اور عظمتِ قرآنی کو پیش نظر رکھ کر عربوں کے لہجوں میں خوب صورت آواز کے ساتھ تلاوتِ قرآن کی جائے تو جائز ہے، اور اگر قواعدِ تجوید، عظمت وشرف قرآن اور عربی لب ولہجے کا لحاظ رکھے بغیر کی جائے تو ناجائز ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ ان احادیث اور سلف صالحین کے اقوال (جن میں ممانعت اور وعید کا ذکر ہے) کے وہی لوگ مصداق ہیں، جو تلاوتِ قرآن مجید میں قواعدِ تجوید اور حروف کی صحتِ ادا یعنی مخارج وصفاتِ حروف، اظہار، اخفا، ادغام، شدت ورخاوت، مد اور قصر وغیرہ کا لحاظ نہیں رکھتے ہیں، یا پھر تلاوتِ قرآن میں ایسی راگنی کا استعمال کرتے ہیں، جو قرآن کے مقام ومرتبے اور اس کے وقار کے منافی ہے۔ قرآن کو مزامیر بنانے کا بھی یہی مطلب ہے، جس پر احادیث میں وعید آئی ہے، ورنہ مطلق الحان (خوش آوازی) کے ساتھ قراءت کرنا ان کے نزدیک بھی منع نہیں ہے، کیوں کہ خوش آوازی کی احادیث میں ترغیب دی گئی ہے؛ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کی خوش آوازی کی نبی کریم ﷺ ﷺ نے تحسین فرماتے ہوئے اسے لحن داؤدی سے تشبیہ دی۔ بہ الفاظ دیگر قرآن مجید کو آواز کی خوب صورتی کے ساتھ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس ترنم وخوش آوازی کا ان صورتوں سے پاک ہونا ضروری ہے، جن کو تلاوت میں عیب شمار کیا جاتا ہے، یعنی ترعید، ترقیص وغیرہ۔

---

[61] البانی سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ وشیٔ من فقھھا وفوائدھا، 1: 106۔